ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

گلزار بخاری کی غزل کے داخلی عناصر اور سماجی اثر پذیری ___ تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر شائستہ اعوان

Abstract:
In the present era of Urdu Literature, Gulzar Bukhari is a vital name that keeps the tradition of ghazal alive. Gulzar Bukhari is a vibrant voice in Urdu ghazal. Ghazal has proven to be the forefront of Gulzar Bukhari's creative essence. With utmost maturity, he has made invaluable contributions to the world of poetry and literature through his collection 'Hawa Patay Giraaye Gi' (published by Amir Publications, Lahore in 2013). This collection comprises 66 ghazals, upholding the highest traditions of ghazal.

Key Words:
تہذیبی انتشار، بے ساختگی، طبعی، مؤثر پیرایہ، ہجر و وصال، بغاوت، نفسیات

پچاس کی دہائی کے بعد جب اردو غزل نے پھر سے عروج حاصل کرنا شروع کیا تو اسے معاشرے کے ایسے افراد سے واسطہ پڑا جو زندگی میں بہتر مقام و مرتبے کے حصول کے لیے تگ و دو میں مصروف تھے۔ ان میں سماجی ادراک اور شعور نسبتاً زیادہ تھا۔ ادب چونکہ معاشرے کا آئنہ ہوتا ہے لہٰذا ان اثرات کا غزل کی دنیا میں در آنا ایک نا گزیر عمل تھا اور اس دور کی غزل نے یہ سماجی اثرات کھلے دل سے قبول کیے۔ نتیجتاً وہ دور جس سماجی، تہذیبی انتشار سے گزر رہا تھا۔ وہ سماجی، تہذیبی انتشار غزل میں بھی نمایاں ہوا۔ شعرا کی بڑی تعداد ایسی تھی جو شہروں کی صنعتی اور ہنگامہ آراء زندگی سے بیزار تھی۔ متوسط طبقے کے ذہن اور اخلاقی شعرا کے ہاں تنہائی کا احساس بہت شدت سے ابھرا۔ نیز ان کے لہجے میں جھنجلاہٹ، بغاوت اور احتجاج پیدا ہوا۔ یوں جدید غزل اپنے رویے، لب و لہجے، فکر اور نفسیات کے اعتبار سے اپنا رنگ بدلتی ہوئی عہد حاضر تک پہنچتی۔ رشید احمد صدیقی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ

> "انیسویں صدی میں غزل اور غزل گویوں کا مقابلہ غزل اور گویوں سے تھا۔ بیسویں صدی میں دونوں کا مقابلہ زندگی زمانہ اور ذہن کے سیل بے اماں سے رہا۔ جدید شعرا کے سبب غزل میں قدیم علائم اور استعاروں کی مدد سے تخیلی پیکروں کی تخلیق کا عمل جاری رہتا ہے۔ نیز غزل میں ایک نئی معنویت اور ایک نیا ویژن سامنے آتا ہے۔"(۱)

دورِ حاضر کے سیلِ بے اماں میں غزل کی روایت کو زندہ رکھنے والا ایک اہم نام گلزار بخاری کا ہے۔ گلزار بخاری اُردو غزل کی ایک جان دار آواز ہیں۔ غزل بجا طور پر گلزار بخاری کے تخلیقی جوہر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ انھوں نے غزل میں فکری اور فنی حوالے سے نہایت پختگی کے ساتھ شعر و ادب کی دنیا میں "ہوا پتے گرائے گی" کی صورت میں ایک بیش قیمت اور گراں بہا اضافہ کیا۔ جو امیر پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۱۳ء میں شائع کیا۔ گلزار بخاری کا یہ مجموعہ کلام ان کی ۶۶ غزلیات پر مشتمل ہے اور غزل کی اعلیٰ روایات کا پاسدار اور امین ہے۔

شاعری ایک وہبی ملکہ ہے اس لیے شعر وہ اچھا مانا جاتا ہے جس میں آمد اور بے ساختگی ہو۔ گلزار بخاری کو یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے۔ اُن کی شاعری میں وارداتِ قلبی کا بہت دخل ہے کیونکہ ایک تو خود اُن کی زندگی "جہدِ مسلسل" کی تصویر ہے اور دوسرے خارجی ماحول نے اُن کی داخلیت پر بے انتہا اثر کیا ہے۔ لہٰذا اُن کی شاعری میں گداز کا عنصر در آیا ہے۔ کہتے ہیں:

تو اکیلا نہیں جیون میں حوادث کا شکار
زندگی ہے تری گلزار ہزاروں جیسی

دیکھو تو زر و مال نہیں پاس ہمارے
سوچو تو یہی درد کی دولت بھی بہت ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اس سوز اور گداز کے اظہار کے لیے غزل سے بڑھ کر کوئی صنف اردو شاعری میں موجود نہیں۔ گلزار بخاری نے بھی ابتدا سے غزل ہی کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ غزل شعری روایت کی امین صنفِ سخن ہے۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ روایت محض قصۂ گل و بلبل اور افسانۂ ہجر و وصال کی داستان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ایک با وضع اور حیادار تہذیب کی ترجمان ہے اور اس تہذیب سے مکمل آگاہی رکھنے والے اور اس کی پاس داری کرنے والے گلزار بخاری کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے اشعار کو روایت سے جوڑتے ہوئے معنی کے بے شمار گلزار کھلا دیتے ہیں۔ اردو شاعری حسن و عشق کے مضامین سے بھری پڑی ہے تقریباً تمام شعرا نے اس سے وابستہ مضامین پر خیال آرائیاں کی ہیں ہر شاعر نے بساط بھر اپنے انفرادی تجربات کو نیا پیکر عطا کر کے اس موضوع کو نبھایا ہے۔ گل و بُلبل کی شاعری جذبہ محبت کی شاعری ہے اور جذبۂ محبت یقیناً تمام جذباتِ انسانی سے زیادہ قوی ہے۔۔ گلزار بخاری اساتذہ کے بحر شعر و سخن میں غوطہ زن ہوئے۔ ان سے بیان کا لطف اور لب و لہجہ سیکھا اور پھر اس میں اپنے مزاج کے رنگا رنگ پھول کھلائے:

کیا عشق نے تجھے مضطرب نہ رہا سکون تو کیا ہوا — نہیں یہ بھی کم ترا حوصلہ دلِ بے قرار گیا نہیں
اس کی آنکھیں مجھ کو دیتی ہیں اشارہ دور سے — راز داں میرا ہوا ہے اک ستارا دور سے
اس میں کسی کی جان گئی ہے تو تمہیں — تم نے تو آزمالیا خنجر کی دھار کو

عشق کے بیان میں اُن کے ہاں جذباتیت ملتی ہے۔ اُن کا تصورِ عشق بھی اردو کی روایتی غزل کے تصور کی طرح ہے اُن کی غزل کا عاشق بھی محبوب کے ظلم و ستم اُٹھاتا ہے مگر شکوہ لب پر نہیں لاتا۔ وہ اُمید کی کرن دل میں جگائے عشق کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ محبوب خواہ جفا کرتا رہے۔ عاشق وفا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ محبوب کی بے وفائی، بے اعتنائی اور عہد شکنی جیسے مضمون میں بھی روایت کا رنگ جھلکتا ہے

بھول جائے گا کسی کو شام کا وعدہ کہیں — صبح تک دروازہ کوئی نیم وا رہ جائے گا
زبان پہ مُہر لگا لی تری خوشی کے لیے — اگرچہ دکھ ہیں بہت صبر آزما میرے

حسن ایک بیرونی حقیقت کا نام ہے جو ہمارے ذہن سے علیحدہ ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور عشق اس بیرونی حقیقت سے ہمارا وہ ذہنی تعلق ہے جو بالعموم خواہش کے رنگ میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی عشق میں شخصیت غرور منعکس ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو حسن کا تصور بھی شخصیت میں محمور ہے وہ حسن کی رنگینی، تاثر اور اس کی ساحرانہ کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے محبوب سے متعلق لوازمات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نسوانی حسن کا ذکر موجود ہے اور اس میں خاص طور پر محبوب کی نگاہ، زلف و گیسو اور چہرے کی تعریف کرتے ہیں:

کوئی الزام نہیں کیف بھری آنکھوں پر — پکڑے جاتے ہیں وہی جن کو خمار آجائے
سرو کا طالع ترے قد کے سبب ہے اوج پر — رنگ بھرتا ہے گلِ شاداب میں چہرہ ترا
آئنے کا منہ تحیر سے کھلا رہ جائے گا — جو بھی دیکھے گا تجھے دیکھتا رہ جائے گا
ہم بھی کہتے تھے کہ پانی میں دیا جلتا نہیں — منعکس دیکھا نہ تھا تالاب میں چہرہ ترا
تجھ کو دیکھا تو یہ معلوم ہوا ہے ہم کو — ہے وہی حسن جسے دیکھ کے پیار آجائے

وہ غزل میں تغزل کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں۔ درحقیقت تغزل کی وجہ ہی سے غزل کمال کے درجے تک پہنچتی ہے، سوز و گداز، شرینی و سلاست، بیان کی سادگی، نرم لب و لہجہ جیسی خصوصیات جو تغزل کی جان ہیں۔ ان کے ہاں دلکشی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اُن کے کلام میں جہاں تغزل کی شوخی ہے وہاں وقار اور متانت بھی موجود ہے۔ اس ضمن میں یہ مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں: جی لگانے میں کہاں آسانیاں پیدا ہوئیں / اور بھی کارِ محبت کو محال اُس نے کیا۔ دوریوں کے سلسلے تنہائیاں پھیلا گئے / قُربتوں کے دور کو خواب و خیال اُس نے کیا۔ معاملہ بندی کلاسیکی شاعری کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ گلزار کے کلام میں اس کے آثار بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں۔ جس سے ان کی شاعری میں ایک شوخی اور لطف کا احساس بڑھ جاتا ہے:

چمک چراغ کی فانوس نے بڑھا دی ہے — جمال اور نمایاں ہوا حجاب کے بعد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ناز تجھ کو سہی دریا کی طرح وسعت پر　　دسترس ہم بھی دکھائیں گے کناروں جیسی
کچھ آنچ ترا حُسن بھی دیتا ہے زیادہ　　کچھ ہم میں تپش کے لیے رغبت بھی بہت ہے

فارسی اور اردو تصوف غزل کی گود میں پلی بڑھی ہے۔ تصوف کی یہ روایت اتنی قدیم اور قوی تر ہے کہ خالصۃً مجاز کی شاعری کرنے والے بھی حقیقت کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ صوفیانہ شاعری میں قناعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ گلزار بخاری کے ہاں بھی اس مضمون کو باندھا گیا ہے: چاہیے فرد کی فطرت میں قناعت گلزارؔ ورنہ امکاں ہے افتاد کا زر کی جانب۔ ترے بھید ہم پہ نہ کھل سکے دل و جان سے بار گیا نہیں رتری بارگاہ میں آ کے بھی ترا انتظار گیا نہیں۔ خدا کی کاری گری اور قدرت کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: گلزارؔ بہار دیکھ اُس کی رَاک شاخ پہ ہیں گلاب کتنے۔

گلزار بخاری کی غزل داخلیت کا خوبصورت نمونہ ہے۔ انھوں نے اپنے دل پر گزرنے والی واردات کو محسوس کیا اور اسے عام اور سادہ الفاظ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ بہت سے اشعار میں ان کی ذات کے مختلف پہلو ابھرے ہیں۔ ان کے جذبات اس قدر قدرتی، طبعی اور فطری ہیں کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا اس کے دل کی بات کی جارہی ہے۔ ان کے اشعار چونکہ دل سے نکلتے ہیں اس لیے سننے والے کا دل موہ لیتے ہیں۔ ان کے اشعار میں ہر صاحبِ ذوق کو اپنے ہی دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے اور ان کا ہر شعر ہمارے احساسات اور جذبات کی پکار بن جاتا ہے:

قائم اسی بنیاد پہ ہیں تجھ سے مراسم
رنجش ہی نہیں ہم میں مروّت بھی بہت ہے

گلزار بخاری وسیع المطالعہ شاعر ہیں کلاسیک شاعری اور روایت کے اتباع کے علاوہ ان کے ہاں دورِ جدید کے شعرا کے اثرات بھی مختلف حوالوں سے سامنے آتے ہیں جیسے کہ احمد فراز کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہے:

زلف راتوں سی ہے رنگت ہے اجالوں جیسی
پر طبیعت ہے وہی بھولنے والوں جیسی

''جیسی'' کا لفظ بطورِ ردیف ہمیں گلزار کے ہاں بھی ملتا ہے:

چاند چہرہ ہے تو آنکھیں ہیں ستاروں جیسی
تیری سج دھج ہے وہی جان سے پیاروں جیسی

اسی غزل کے ایک شعر میں گلزارؔ نے جو موضوع پیش کیا ہے وہ فرازؔ کے ایک شعر کا مضمون بھی ہے

فراز کہتے ہیں:

تیری قربت کے لمحے پھول جیسے
مگر پھولوں کی عمریں مختصر ہیں

گلزار کا شعر ملاحظہ ہو:

تیری قربت کی خوشی سے نہیں انکار مگر
ساعتیں جلد گزر جاتی ہیں بہاروں جیسی

اسی طرح منیر نیازی کے موضوعات اور ردیف کا رنگ بھی ملتا ہے منیر نیازی کا ایک شعر ہے:

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

سختیوں، دشواریوں اور تکلیفوں کا مسلسل سامنا کرنے کا موضوع ہمیں گلزار کے ہاں اس انداز میں نظر آتا ہے:

گھرے ہیں نوح کے طوفاں میں قطعِ آب کے بعد
عذاب ختم ہوا ہے کہاں عذاب کے بعد

اسی طرح منیر لکھتے ہیں:

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا

اور گلزار یوں رقم طراز ہیں:

کرتا ہے بسر اور کوئی زیست ہماری
ہم لوگ تو ہیں شام و سحر کاٹنے والے

ایسی ہی ایک ردیف ہمیں گلزار کے ہاں بھی ملتی ہے:

ہم عدو ٹھہرے ہمیں وقفِ ملال اُس نے کیا
پوچھ لو یاروں سے بھی کیا ان کا حال اس نے کیا

ہمیں بہت سے ایسے اشعار مومن اور غالب کے ہاں ایسے مل جاتے ہیں جو ایک جیسے یا ملتے جُلتے موضوعات کے حامل ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر شعرا اپنے اساتذہ یا پیش رو شاعروں کا اثر قبول کرتے ہیں داغ وہ شاعر ہیں جن کے اثرات بہت سے شاعروں کے ہاں نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

"امیر مینائی جو آخر تک لکھنوی طرز کو نبھانے کی کوشش کرتے رہے
وہ بھی داغ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے خود مولانا حالی جو کہ
طرزِ نو کو اپنائے ہوئے تھے۔ داغ کے مداحوں میں تھے۔ انہوں
نے داغ کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔"(۲)

خود داغ کے ہاں غالب کے طرز اور اسلوب کی جھلک دیکھیے۔ غالب کہتے ہیں:

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

اور داغ بیان کرتے ہیں:

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

غالب کی اسی غزل کے قافیہ ردیف کے اثرات امیر مینائی کے ہاں بھی دیکھیے:

یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

گلزار بخاری نے دشتِ شعر و سخن میں اپنی منزل اور راستے خود متعین کیے ہیں اور اس میں کامیاب بھی ہیں تاہم پیش رو شعرا آیا ایک ہی عہد اور زمانے میں رہتے ہوئے معاصرین کسی نہ کسی طور پر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی اثرات گلزار بخاری کے ہاں بھی جھلکتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کوئی شاعر اپنے ماحول سے ہٹ کر شاعری نہیں کر سکتا۔ اس کی تخلیقات پر گرد و پیش کے اثرات ضرور مرتسم ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ماحول کے پیدا کردہ اثرات کو قبول کرتے ہوئے اپنے مزاج کی مناسبت سے ضروریاتِ وقت کے مطابق شاعری کرتا ہے۔ شاعر اس ماحول کا ایک فرد ہوتا ہے اور وہ ان حالات و واقعات کو اپنی شاعری کے روپ میں پیش کر کے انہیں حیاتِ دوام کا ایک حصہ بنا دیتا ہے۔ گلزار آنے بھی اپنے ماحول کی سچی تصویر کشی کی ہے۔ گلزار بخاری نے روایت ساتھ ساتھ اپنے ارد گرد کے حالات اور اخلاقی و سماجی شعور کو اپنی غزل میں اس طرح جگہ دی ہے۔ کہ ان کی غزل قدیم و جدید کا حسین امتزاج بن گئی ہے۔ دوسرے غزل کے دامن میں وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ روایت کے زندہ عناصر کو قائم رکھنے کے علاوہ انھوں نے اپنی انفرادیت بھی قائم کی ہے اور زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان موضوعات کو غزل جیسی لطیف صنفِ سخن میں اس میں اس مؤثر پیرائے میں پیش کیا ہے کہ اجنبیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مثالیں دیکھیے:

نکلتا ہی نہیں گلزار آپنے خول سے کوئی
زمانے بھر سے کٹ رہنے کا یہ رجحان کیسا ہے

دارومدار کثرت و قلت پہ ہو گیا
احباب کی نظر نہیں معیار کی طرف

معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے امنی اور بے چینی کو پیش کیا اور غزل میں اظہار کے دائرے میں وسعت دی۔ روزانہ کوئی نہ کوئی خبر سُن کر یا پڑھ کر تقریباً ہر حساس شخص کو ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا ہوتا ہے، ایسے روز مرّہ واقعات بھی ہمیں گلزار کے ہاں ملتے ہیں۔ گلزار بنیادی طور پر ایک ملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ اُنہیں دوست احباب اور عزیز و اقارب سے ملنا پسند ہے۔ وہ دوست اور ملنے والے جو کچھ عرصہ بعد ملیں تو ان کی ملاقات سے گیا وقت اور بہت سی یادیں بھی لوٹ آتی ہیں۔ اس کی جھلک ان کے کئی اشعار میں ملتی ہے جیسے: عمرِ رفتہ کے پلٹنے کا گماں ہوتا ہے ر جس گھڑی لوٹ کے بچھڑا ہوا یار آ جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں خود غرض لوگوں کے رویے تکلیف دیتے ہیں خاص طور پر جس انداز میں لوگ دوست بن کر گزند پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔، سانپ بن کر ڈستے ہیں اور پیٹھ پیچھے وار کرتے ہیں گلزار آن رویوں کا بیان کیے بغیر نہیں رہ سکے اسی طرح جیسے دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اسی طرح اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات سے سیکھتے ہوئے ان کے ہاں معاملات میں ایک محتاط رویے کی عکاسی ہوتی ہے:

اب تمہیں ڈسنے لگے ہیں تو شکایت کیسی
سانپ بستی میں پروردہ تمہارے اپنے

مشکل ہے توڑ پشت پہ نیزے کی ضرب کا
ممکن ہے روک لے کوئی سینے کے وار کو

جلتے ہیں دھوپ میں کہ یہ رہتا ہے ڈر ہمیں
سائے میں بیٹھتے ہی نہ دیوار گر پڑے

اس کے علاوہ اُن کے ہاں ایک سیاسی بیداری بھی نظر آتی ہے۔ وہ معاشرے کے ایک باشعور فرد کی طرح حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسے بڑے ہی مؤثر انداز میں اپنے کلام کا حصہ بناتے ہیں۔ شاعر اس قوم کے رہبروں اور اس دھرتی کے حکمرانوں سے سخت مایوس نظر آتے ہیں اور رہبرانِ قوم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ بتائیں کہ یہ دھرتی ویران کیوں ہوئی؟ اس دھرتی کو تیر آزماؤں کے نشانے پر کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس دھرتی کے رہبروں کو کیا ہوا ہے؟

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

پیدا شکستِ خواب کا امکان کیوں ہوا
تو ہی بتا کہ شہر یہ ویران کیوں ہوا

جب چمن تیر آزماؤں میں گھرا رہ جائے گا
کون سا طائر ہوا میں پر کُشارہ جائے گا
پیڑ ہی ایک دوسرے کو بے نمو کرنے لگے
کیا یہ جنگل ایسی رُت میں پر فضا رہ جائے گا

ایسے موقع پر گلزارؔ کے کلام میں طنز کے نشتر بھی چبھتے محسوس ہوتے ہیں:

آتا نہیں دامن پہ نظر داغ بھی کوئی
چالاک ہیں اوروں کو ثمر کاٹنے والے

گلزار بخاری کی شاعری کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ گلزارؔ عام اور مبتذل جذبات واحسات کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ان کی غزلوں میں تفکر کی لہر دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری کا تعلق یقیناً ہماری زوال آمادہ تہذیب سے ہے جہاں انسانی اقدار دم توڑتی اور سسکتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر گلزار بخاری زمانے کے غم و آلام سے ہی ولولہ و جوش اور ہمت پاتے ہیں اور زمانے سے نبرد آزمائی کا ہنر اُن کے ہاتھ آجاتا ہے جس کی بدولت غم و آلام انہیں شکست سے دوچار نہیں کر سکتے۔ بلکہ تمناؤں کا رنگ اور نکھر جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے انسان کی اُلجھنوں، تذبذب اور اضطراب کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ آج کا انسان ہیولوں کے تعاقب میں جہاں تک پہنچ چکا ہے س کی تصویر کشی ہو جاتی ہے ۔ اس عہد میں نئے مزاج اور سماجی اتھل پتھل کو بڑی خوبصورتی سے اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خلا میں تکتی آنکھوں سے عیاں ہیجان کیسا ہے
پڑی افتاد کیا کھلتا نہیں بحران کیسا ہے
نکلتا ہی نہیں گلزار اپنے خول سے کوئی
زمانے بھر سے کٹ رہنے کا یہ رجحان کیسا ہے

خوابوں کی خلش ذہن مختل ہی نہ کر دے
ہر وقت کی اُلجھن ہمیں پاگل ہی نہ کر دے
ہر کوچہ و بازار میں اُگنے لگے پودے
یہ جوشِ نمو شہر کو جنگل ہی نہ کر دے
گلزار ہیولوں کا تعاقب نہ کیا کر
یہ شغل تیرے ہوش معطل ہی نہ کر دے

کسی شاعر کی عظمت کو پرکھنے کے لیے عمومی طور پر جن نکات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے اُن میں سے ایک نہایت اہم نکتہ عظمتِ زبان کا ہے گویا اصل کام صحیح انتخابِ الفاظ ہے۔ الفاظ اپنے طور پر حسین ہونے کے ساتھ ساتھ معنی و خیال سے وابستہ ہوتے ہیں۔ خیال و معنی سے الگ ان کی حیثیت متعین نہیں ہوتی۔ حسین الفاظ دراصل خیال کے لیے روشنی کا کام دیتے ہیں لیکن کوئی لفظ چاہے جتنا بھی حسین ہو وہ موقع و محل کے مطابق ہی اپنا اثر دکھائے گا۔ چنانچہ شاعری میں بھی لفظ جتنے زیادہ عام بول چال کے قریب ہوں گے اتنے ہی زیادہ مؤثر اور عام فہم ہوں گے گلزارؔ کا کلام اس نکتے پر پورا اترتا ہے۔ اُن کے ہاں عام بول چال، روزمرّہ اور سادہ الفاظ کا استعمال ہے اور اس پر خوبی یہ ہے کہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اس سادگی میں گہرائی کی بات کر جاتے ہیں. گلزارؔ کے ہاں چونکہ غزل کا روایتی انداز جھلکتا ہے اس لیے فارسی آمیز اسلوب بھی نمایاں ہو جاتا ہے جو کہ بالکل فطری ہے ۔ لیکن یہ اسلوب کلام کو کہیں بوجھل نہیں ہونے دیتا۔ در حقیقت گلزارؔ دورِ جدید کے وہ شاعر ہیں جنہوں نے سادہ اور عام فہم لفظوں کے ساتھ ساتھ زبان وادب میں فارسی آمیز الفاظ و مرکبات الفاظ کو برتنے کا سلیقہ زندہ رکھا ہے اور غزل کے حسن و جمال میں اضافہ ہی کیا ہے۔

ضرورت مند ہے صیدافگنی مشاق ہاتھوں کی
فقط یکجائی تیر و کماں سے کچھ نہیں ہوتا
خلا میں ناوک اندازی تجھے گلزارؔ کیا دے گی
میسر اس جنونِ رائیگاں سے کچھ نہیں ہوتا

ہماری کلاسیکی شعری روایت میں اساتذہ نے دو غزلے، سہ غزلے، چہار غزلے حتیٰ کہ ہفت غزلے تک کہے ہیں۔ دو غزلوں کی مثال جدید شاعری میں فراق گورکھپوری کے ہاں نظر آتی ہے۔ گلزارؔ کے ہاں ہمیں اس روایت کی پیروی کرتے ہوئے دو غزلے ملتے ہیں۔ اس سے ان کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے. گلزارؔ کی غزلیات میں ا یک ایسی غزل بھی شامل ہے جو دو مطلعوں پر مشتمل ہے یعنی اس میں مطلع اور حسنِ مطلع دونوں موجود ہیں.

اردو غزل اپنے اندر استعاروں اور علامتوں کی وسیع دنیا کو سموئے ہوئے ہے ہر شاعر اپنے انفرادی مزاج کے مطابق اپنی شاعری میں علامتوں اور استعاروں کو برتتا ہے اور انہیں نئے معنی اور جہتیں عطا کرتا ہے گلزارؔ کے ہاں بھی ہمیں ایسی صورتِ حال نظر آتی ہے۔ ان کے ہاں شجر اور آئنے کو بطورِ خاص علامتی اور استعاراتی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ پروفیسر منور علی ملک لکھتے ہیں:

> "شجر گلزار کی شاعری میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا امیج ہے۔ یہ کہیں تشبیہات کے روپ میں نظر آتا ہے، کہیں استعارہ ہے اور کہیں علامت۔ کہیں یہ فرد کی نمائندگی کرتا ہے، کہیں قوم کی اور کہیں یہ وطن کی علامت ہے۔"(۳)

اُن کے ہاں تشبیہات کا استعمال بہت عمدگی سے نظر آتا ہے جہاں یہ تشبیہات کلام کی خوبصورتی اور دلکشی کا باعث ہیں وہاں ان سے اُن کے فکر کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تشبیہات سادگی اور بے ساختگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یوں فرماتے ہیں۔ صنعتوں کا استعمال بھی مؤثر پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں چھوٹی بڑی تمام بحروں کا استعمال سہولت سے کیا گیا ہے۔ جہاں طویل بحروں سے موسیقیت پیدا کی گئی ہے۔ وہاں چھوٹی بحریں منفرد اور اچھوتی ردیف کے ساتھ سہلِ ممتنع کی مثال ہیں۔ یوں انھوں نے مضامینِ حسن و عشق میں ایک نیا رنگ اور ایک نیا آہنگ عطا کیا ہے۔ ان کے عشقیہ اشعار میں تنوع، جدت طرازی اور نکتہ آفرینی نظر آتی ہے اور اپنے دور کے آشوب کو بھی انھوں نے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا ہے۔

گلزار انسانی عظمت کے قائل ہیں اور اس کی بہترین مثال اُن کی شاعری ہے۔ دنیا کی رنگینی اور روشنی انسان کے دم ہی سے ہے۔ اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اس کی وسعتوں کو بیان کرتے ہیں۔ مشتِ خاک ہو کے بھی کائنات تسخیر کر سکتا ہے: بھید پوشیدہ جہانوں کے ابھی کھلنے ہیں رکائناتوں کی توجہ ہے بشر کی جانب۔ ہوئی آباد فرشتوں سے نہ جنت شاید رپھر بلاوا ہے اسی خلد بدر کی جانب۔ ہر شاعر کی شاعری پر اس کی شخصیت کی چھاپ ضرور ہوتی ہے۔ جو اس کے کلام کو انفرادیت بخشتی ہے۔ گلزارؔ کی غزل کے مطالعے سے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ وہ غزل میں اپنی ذات کے مختلف پہلو ابھارتے ہیں۔ اپنی نرم دلی اور غم گسار طبیعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں: کس کس کو نہ ڈسا تیرگی نے رکس کس کے لیے جلا نہیں میں۔ ہر پیڑ کے دکھ میں کیوں نہ تڑپوں رجنگل سے کوئی جدا نہیں میں۔ اپنی خودداری اور خود انحصاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: مانگ کر میں نہیں لایا یہ اجالے کے سفیر رمیری دُنیا میں چمکتے ہیں ستارے اپنے۔ انھیں زندگی میں جن محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی شاعری میں اس کا عکس بھی جھلکتا ہے۔ ان کے بعض اشعار دکھ، اور کسک کے آئینہ دار ہیں لیکن یہ محض ذاتی دکھ نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہم عام انسانوں پر بھی کر سکتے ہیں۔ قابلِ تعریف امر یہ ہے کہ ان محرومیوں اور کمیوں نے ان میں احساسِ کمتری پیدا نہیں ہونے دیا لہٰذا وہ اپنے داخلی امتیازات اور معیارات کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں: جسے تو ہار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

سمجھتا ہے، جیت ہے میری رشکست و فتح کے معیار ہیں جُدا میرے۔ گلزار بخاری تخلیقی عمل سے لفظوں کے ذریعے مناظر کی تصویر کشی اس انداز میں کرتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے مناظر مجسم شکل میں آن کھڑے ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ تصویریں خارجی رنگ لیے ہوتی ہیں لیکن شاعر اُنہیں باطن کے نہاں خانوں سے خارج میں لاتے ہیں۔ گلزار بخاری کی شاعری میں لفظی تصویر کاری اور محاکات نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے گلزار بخاری صرف گزرے زمانوں کا ہی نہیں بلکہ آنے والے کل کا بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔ گلزار اپنے کلام کی پختگی اور فکری سطح سے خوب واقف ہیں اسی لیے تو کہتے ہیں:

گونجوں گا سماعتوں میں پیہم
گم ہوتی ہوئی صدا نہیں میں

حوالے

(۱) فنون۔ لاہور: اپریل ۱۸۸۳ء۔

(۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ **غزلِ اردو کی شعری روایت**۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔ ص ۱۴۲

(۳) **"گلزار بخاری کی شاعری"**۔ غیر مطبوعہ مضمون